قرآنِ حکیم اور موجودہ نظامِ تعلیم

ڈاکٹر محمد یوسف گورایہ

ڈاکٹر گورایہ نے یہ حد درجہ مبسوط مقالہ دوسرے سالانہ محاضراتِ قرآنی کے چوتھے اجلاس میں پیش فرمایا تھا

اسلام کا نظامِ تعلیم و تربیت دنیا میں منفرد حیثیت کا حامل ہے۔ یہ انتہائی مبارک و مسعود ہے۔ اس کی ترتیب و تدوین اور تقنین و تخطیط ابوالانبیاء سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمائی۔ اس سے ملّتِ ابراہیمی اور اُمّتِ محمدیہ کے درمیان دینی اور روحانی گہرے روابط استوار ہوئے۔

نظامِ تعلیم چار بنیادی عناصر پر مشتمل ہوتا ہے:۔

(۱) مرکزِ تعلیم (۲) طلبہ (۳) معلّم (۴) نصابِ تعلیم و تربیت

سیدنا ابراہیمؑ کی لازوال عظمت و بصیرت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ آپ نے نظامِ تعلیم و تربیت کے ان چاروں بنیادی عناصر کا تصور فرمایا اور انہیں معرضِ وجود میں لانے کے لئے اللہ تعالیٰ سے قبولیت کی دعا فرمائی۔

(۱) تعمیر بیت اللہ (مرکزِ تعلیم)

(۲) تخلیق امّتِ مسلمہ (طلبہ)

(۳) بعثتِ محمدی (معلّم)

(۴) تلاوت و تزکیہ اور تعلیم و حکمت (نصابِ تعلیم و تربیت)

۱۔ تعمیر بیت اللہ (مرکزِ تعلیم و تربیت)

مرکزِ تعلیم و تربیت کی تاسیس و قیام کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کی تعمیر فرمائی۔

واذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت واسمٰعیل ربنا تقبل	اور جب ابراہیم اور اسماعیل بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے (تو دعا کئے

منا انك انت السميع العليم[1]	جاتے تھے کہ) اے ہمارے پروردگار ہم سے یہ خدمت قبول فرما بے شک تو سننے والا (اور جاننے والا ہے۔

(۲) تخلیقِ امّتِ مسلمہ (طلبہ) | درس گاہ بیت اللہ میں عبادت اور حصولِ تعلیم و تربیت کے لئے آپ نے امّتِ مسلمہ کی تخلیق کے لئے دعا فرمائی:

ربنا واجعلنا مسلمین لك ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ لك[2]	اے ہمارے پروردگار ہم کو اپنا فرمانبردار بنائے رکھیئے اور ہماری اولاد میں سے ایک امّتِ مسلمہ پیدا فرمائیے!

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کی دعا کو شرفِ قبولیت بخشا اور امّتِ مسلمہ پیدا فرمائی۔

وکذٰلك جعلناکم امۃ وسطا لتکونوا شهداء علی الناس[3]	اور اس طرح ہم نے تم کو امّتِ معتدل بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو۔

(۳) بعثتِ محمدی (معلّم) | درس گاہ بیت اللہ میں امتِ مسلمہ کی تعلیم و تربیت کے فرائض انجام دینے کے لئے حضرت ابراہیمؑ نے ایک رسول کی بعثت کے لئے دعا فرمائی:

ربنا وابعث فیهم رسولا منهم[4]	اے ہمارے پروردگار اس امت میں انہیں میں سے ایک رسول مبعوث فرما!

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا قبول فرمائی اور امّتِ مسلمہ میں اپنے فیض و کرم اور فضل و احسان سے حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کو رسول بنا کر بھیجا:

---

۱ ۔ القرآن الحکیم (۲ : ۱۲۷)
۲ ۔ القرآن الحکیم (۲ : ۱۲۸)
۳ ۔ القرآن الحکیم (۲ : ۱۴۳)
۴ ۔ القرآن الحکیم (۲ : ۱۲۹)

لقد من اللہ علی المومنین از بعث فیھم رسولاً من انفسہم[۵]	خدا نے مومنوں پر بڑا احسان کیا کہ ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا۔

(۴) **نصاب تعلیم و تربیت** امت مسلمہ کی تعلیم و تربیت کے لئے حضرت ابراہیمؑ نے ایک نصاب تعلیم و تربیت تجویز فرمایا اور بارگاہ رب العزت میں منظوری کے لئے پیش فرمایا:

یتلوا علیھم آیتک ویعلمھم الکتب والحکمۃ ویزکیھم[۶]	وہ ان پر تیری آیات کی تلاوت کرے، اور کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کے مجوزہ نصاب تعلیم و تربیت کو شرف قبولیت بخشا اور اس کے مطابق امت کی تعلیم و تربیت کا کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد فرمایا۔

ھو الذی بعث فی الامیین رسولاً منھم یتلوا علیھم آیتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتٰب والحکمۃ[۷]	وہی تو ہے جس نے امیوں میں انہی میں سے رسول بھیجا۔ جو ان پر اسکی آیتوں کی تلاوت کرتا ہے۔ ان کا تزکیہ کرتا ہے۔ اور کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

ان مباحث سے معلوم ہوا کہ تعمیر بیت اللہ، تخلیق امت مسلمہ، بعثت محمدیؐ اور تجویز و ترتیب نصاب تعلیم و تربیت ایک ہی مقدس و مذہب سلسلے کی مضبوط و مرصوص کڑیاں ہیں۔ اس کا آغاز سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ابو الانبیاء سے ہوا اور تکمیل سید المرسلین، رحمۃ للعالمین اور ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوئی۔

عہد نبوی کا نظام تعلیم و تربیت انہیں عناصر اربعہ پر استوار تھا۔ جن کی تجویز و ترتیب اور تاسیس و تشکیل حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمائی تھی۔ اب ان چاروں عناصر کی مختصر طور پر

۵۔ القرآن الحکیم (۳ : ۱۶۴)

۶۔ القرآن الحکیم (۲ : ۱۲۹)

۷۔ القرآن الحکیم (۲ : ۶۲)

اہمیت بیان کی جاتی ہے۔

مرکز تعلیم | انسانیت کی اولین عبادت گاہ اور مرکز تعلیم و تربیت بیت اللہ شریف ہے۔ اسے دنیا کے تمام مراکز اور درس گاہوں پر جن خصوصیات کی بنا پر فوقیت حاصل ہے، قرآن نے ان کا ذکر اس طرح فرمایا ہے۔

ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ مبارکا وھدی للعالمین[8]	پہلا گھر جو لوگوں کے لئے بنایا گیا وہی ہے جو مکے میں ہے مبارک اور دنیا کیلئے موجب ہدایت۔

اس آیت میں بیت اللہ کی دو صفتیں بیان ہوئی ہیں۔ (۱) مبارک (۲) ھدی للعالمین ایک جگہ بیت اللہ کی صفت یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ اس میں داخل ہونے والے کو امن و سکون نصیب ہوتا ہے۔

ومن دخلہ کان اٰمنا[9]	جو اس میں داخل ہوا اس نے امن پالیا

ایک جگہ بیت اللہ کو انسانیت کی اجتماع گاہ اور امن گاہ قرار دیا گیا ہے:۔

واذ جعلنا البیت مثابۃ للناس وامنا[10]	اور جب ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے لئے جمع ہونے اور امن پانے کی جگہ مقرر کیا۔

قرآن و سنت اور سیرت و تاریخ میں بیت اللہ کی اور بھی کئی صفات بیان ہوئی ہیں مذکورہ آیات میں بیت اللہ کی صفات یہ ہیں :۔ مبارک 'ھدی للعالمین' اجتماع گاہ انسانیت اور امن گاہ انسانیت' ہجرت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں مسجد نبوی تعمیر فرمائی۔ یہ مسلمانوں کا دوسرا بڑا تعلیمی و روحانی مرکز قائم ہوا۔ اور یہ بھی انسانیت کے لئے برکت' ہدایت' اجتماع اور امن کا موجب ثابت ہوا۔ اسی طرح جیسے جیسے انسانیت دائرہ اسلام میں داخل ہوتی چلی گئی اور اسلام اکناف و اطراف عالم میں پھیلتا چلا گیا ویسے ویسے ان اولین

۸۔ القرآن الحکیم (۳ : ۹۶)

۹۔ القرآن الحکیم (۳ : ۹۷)

۱۰۔ القرآن الحکیم (۲ : ۱۲۵)

اسلامی تعلیمی و روحانی مراکز کی طرز پر تعلیم و عبادت گاہیں قائم ہوتی چلی گئیں۔ مسلمانوں کی درگاہیں بابرکت ہوتی تھیں۔ کیونکہ ان کے بانی سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں خلوص، نیک نیتی اور تقوی کی بنیاد پر ان کی تعمیر کرتے تھے۔ ان میں رشد و ہدایت کی تعلیم دی جاتی تھی۔ ان میں برکت و ہدایت کی موجودگی انسانیت کو اپنی طرف کھینچتی تھی اور متلاشیان حق اور تشنگان علم جوق درجوق ان اجتماع گاہوں کی طرف کھنچے چلے آتے تھے۔ ان کا پرامن اور پرسکون ماحول علم و تحقیق کے لئے مہمیز اور تعقل و تفکر کے لئے تحرک و تھیج کا باعث بنتا تھا۔

درحقیقت اسلامی درسگاہوں میں برکت اور ہدایت کا ماحول طلبہ کی خداداد صلاحیتوں کو ابھرنے پر آمادہ کرتا، اور امن و اجتماع کی معتدل، خوشگوار اور سازگار فضا انہیں بڑھنے پھلنے، پھولنے اور پروان چڑھنے کے وسیع و وافر مواقع فراہم کرتی تھی۔ مسجد نبوی بطور درسگاہ نظم و نسق کے اعتبار سے مثالی، امن و سکون کے اعتبار سے نمونہ، برکت و ہدایت کے اعتبار سے بے مثل، صحابہ کرامؓ علوم و فنون کی ہر نوع کا علم حاصل کرتے۔ مختلف مسائل حیات پر اجتہاد و تحقیق کی تربیت پاتے، تلاش و جستجو کی تڑپ کے تحت بہت سے علمی، فکری اور تحقیقی سوال کرتے۔ اس آزادانہ علمی ماحول میں ان کی علمی و فکری تربیت ہوئی۔ درس گاہ میں نظم و ضبط کا سب سے بڑا اور اہم ترین قاعدہ اور قانون معلم اخلاق صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ اور سیرت و کردار تھا۔ جبر و اکراہ اور تحکم و تسلط کی جگہ معلم کی اخلاقی قوت اور اس کی ذات کی عظمت و رفعت تھی۔ یہ فضا صحابہؓ کی صفات عالیہ کو پروان چڑھاتی اور شر و فساد کو دخل اندازی کا موقع نہ دیتی۔

ان اسلامی درسگاہوں اور ان کے اوصاف و صفات کا موازنہ جب عہد حاضر کی درس گاہوں سے کیا جاتا ہے تو ان کے مقصد و مدعا، ان کے ماحول اور ان کی فضا کا آپس میں کوئی ربط و تعلق نظر نہیں آتا۔ عہد نبوی کے تعلیمی و روحانی مراکز کی صفت قرآن نے یہ بیان کی ہے۔

لمسجد اسس علی التقوی ۱۱ — مسجد جس کی بنیاد تقوی پر رکھی گئی ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہماری درسگاہوں کی بنیاد بھی تقوی ہی ہے۔ کیا ان کا مقصد و مدعا اور ان کا ماحول اور فضا وہی ہے جو عہد نبوی کی تعلیم گاہوں کی تھی؟ آج دو قسم کی درسگاہیں قائم ہیں۔ ایک جدید نظام تعلیم کی درس گاہیں اور دوسری قدیم نظام تعلیم کی درسگاہیں، جدید نظام

---

۱۱ - القرآن الحکیم (۹ : ۱۰۸)

تعلیم کی درسگاہوں کا اصل الاصول تو مغربی فکر و فلسفہ ہے اگرچہ فروعات میں "لازمی دینیات" کے نام سے بھی ایک مضمون مختلف تعلیمی سطحوں پر شامل نصاب ہے۔ مغربی فکر و فلسفہ اپنے مبادیات اور قواعد و کلیات کے اعتبار سے اسلامی معاشرت، نفسیات، تہذیب و تمدن اور دین و عقیدہ سے پوری طرح ہم آہنگ نہیں۔ حال ہی میں اشتراکیت و اشتمالیت نے بھی ہماری درسگاہوں پر گہرے نقوش ثبت کئے ہیں۔ اس صورتحال سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ ان درسگاہوں کے سامنے ملک و ملت کے حوالے سے کوئی بنیادی مقصد و مدعا موجود نہیں۔ اس نظام کے داعی اس کے حق میں اگر کوئی دلیل پیش کر سکتے ہیں تو فقط یہ کہ اس سے خواندگی کی شرح بڑھتی ہے اور نوکری مل جاتی ہے اور بس! اس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جب ہماری درسگاہوں کا مقصد و مدعا ہی متعین نہیں تو ان میں برکت و ہدایت اور اجتماع و امن کا ماحول کیسے پیدا ہو۔ اور اگر ان میں انتشار و افتراق فساد و طغیان اور قتل و بغاوت ہے تو یہ اسی صورت حال کا منطقی نتیجہ ہے۔ اگر وہ مبارک کی جگہ نامبارک، ہدایت کی جگہ ضلالت، اجتماع کی جگہ انتشار اور امن کی جگہ فساد کا نقشہ پیش کرتی ہیں تو یہ نتیجہ ہے اس نفاق کا جو تقویٰ کی جگہ ان درسگاہوں کی بنیاد ہے اور بغاوت ہے نوجوان نسل کی اس طبقہ کے خلاف جو اس نظام پر حاوی ہے جو یا تو نفاق کی وجہ سے مثبت تبدیلی کے حق میں نہیں یا نااہلیت کے سبب بہتر نظام کے قیام کے قابل نہیں۔

دوسری درسگاہیں قدیم نظام تعلیم کی درسگاہیں ہیں۔ جن میں عربی اور مذہبی نصاب تعلیم رائج ہے۔ ان میں خلوص و تقویٰ موجود ہے۔ مگر بحیثیت مجموعی فرقہ واریت کا پہلو نمایاں نظر آتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اگرچہ مختلف فرقوں کی درس گاہوں کے احاطوں میں امن و سکون رہتا ہے۔ مگر ان کے فارغ التحصیل جب مستند ہو کر باہر نکلتے ہیں تو ان میں کشیدگی پائی جاتی ہے۔ جس کا اندازہ مساجد و محافل کے مختلف اجتماعات اور عبادت گاہوں پر قبضہ کرنے سے ہوتا ہے۔

ہماری جدید و قدیم درس گاہوں کو با مقصد و تعمیری خطوط پر قائم کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ ان کی بنیاد قرآن حکیم کی رہنمائی میں عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمی و روحانی درسگاہوں کی طرح تقویٰ پر رکھی جائے۔ انہیں برکت و ہدایت کا سرچشمہ اور امن و اجتماع کا مرکز بنایا جائے۔

طلبہ

طلبہ نظام تعلیم کا انتہائی اہم عنصر ہیں۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طلبہ صحابہ کرام تھے، ان کی صفات قرآن و حدیث اور سیرت و تاریخ میں موجود ہیں۔ جن

کے سرسری مطالعہ سے یہ بات بخوبی سامنے آتی ہے کہ ان کا سب سے بڑا مقصد اپنی سیرت کی تشکیل، کردار کی پختگی، دنیوی امور میں مہارت اور اخروی مقاصد کا حصول تھا۔ خشیت الٰہی کے تحت حقوق و فرائض کی تعیین اور ادائیگی میں توازن اور رضائے الٰہی کے حصول کے لئے ایثار، قربانی، محبّت، شفقت، ہمدردی، غمگساری، محنت، دیانت، قابلیت سے کام لینا تھا۔ مختلف علوم و فنون کی تحصیل کے لئے انتہا درجے کا شوق و ذوق، محنت و مشقّت، احقاقِ حق اور ابطالِ باطل ان کے اوصاف تھے۔

قرآن حکیم نے عقل و فکر، تدبّر و تعقّل پر بڑا زور دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عہدِ نبوی کی درسگاہوں میں اندھی تقلید اور جمود کی جگہ اجتہاد کا دور دورہ تھا۔ صحابہ کرام اپنی ذہنی، فکری، قلبی اور روحانی صلاحیتوں کو پروان چڑھاتے تھے۔ ان میں افراط و تفریط کی جگہ اعتدال تھا۔ دینی اور دنیوی امور میں توازن تھا۔ علوم و فنون میں انہماک انہیں اپنے خالق و مالک کے حقوق کی ادائیگی سے غافل نہیں کرتا تھا۔ اور زہد و تقویٰ دنیوی امور میں مہارت کے مانع نہیں ہوتا تھا۔ ان کے سامنے نظامِ تعلیم کا مقصد و مدّعا واضح تھا۔ اس لئے وہ اس کے حصول کے لئے ہمہ تن مصروف و مشغول رہتے۔ اپنی تمام توانائیاں اس کو حاصل کرنے کے لئے وقف کر دیتے اور پورے امن و سکون کے ساتھ حصولِ علم میں لگے رہتے۔ پوری دلجمعی کے ساتھ اعلیٰ مقاصد کا حصول ان کا مطمحِ نظر ہوتا۔ بلند و بالا امور کی طلب و جستجو کی لگن کے سبب غیر ضروری، فضول اور بیکار کاموں کیلئے ان کے پاس وقت ہی نہ تھا۔

یہی وہ صفاتِ عالیہ اور اوصافِ حمیدہ تھیں جن کی بدولت قلیل ترین مدّت میں صحابہ کرام نے وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے جن کی مثال نہیں ملتی۔ انہوں نے فقہ و قانون میں وہ اجتہادات کئے جن کی روشنی انسانیت کو آئین و قوانین کی ترتیب میں ہمیشہ راہ دکھاتی رہے گی۔ تعمیر و تشکیلِ شخصیت میں انہوں نے ایسی مثالیں قائم کیں جو قیامت تک انسانوں کے لئے رہبر و رہنما کی حیثیت سے موجود رہیں گی۔ علم و فضل اور عقل و تدبّر کے ایسے شاہکار سامنے لائے جو تاریکی و جہالت سے نکلنے والوں کے لئے مشعل کا کام دیتے رہیں گے۔ طلباءِ درس گاہِ عہدِ نبوی اور طلباءِ عہدِ حاضر کے موازنے سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ان میں انتہائی بُعد ہے، اُن میں شوق و ذوق ان میں لاپرواہی و بے رغبتی، ان میں اجتہاد و جستجو ان میں جمود و بے اعتنائی، اُن میں مقصد و مدّعا کے حصول کی تڑپ ان میں مقصد و مدعا کی بے یقینی، وہ تعمیر کے لئے بے قرار یہ

تعلیم کی درسگاہوں کا اصل الاصول تو مغربی فکر و فلسفہ ہے اگرچہ فروعات ہیں "لازمی دینیات" کے نام سے بھی ایک مضمون مختلف تعلیمی سطحوں پر شامل نصاب ہے۔ مغربی فکر و فلسفہ اپنے مبادیات اور قواعد و کلیات کے اعتبار سے اسلامی معاشرت، نفسیات، تہذیب و تمدن اور دین و عقیدہ سے پوری طرح ہم آہنگ نہیں۔ حال ہی میں اشتراکیت و اشتمالیت نے بھی ہماری درسگاہوں پر گہرے نقوش ثبت کئے ہیں۔ اس صورتحال سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ ان درسگاہوں کے سامنے ملک و ملت کے حوالے سے کوئی بنیادی مقصد و مدعا موجود نہیں۔ اس نظام کے داعی اس کے حق میں اگر کوئی دلیل پیش کر سکتے ہیں تو فقط یہ کہ اس سے خواندگی کی شرح بڑھتی ہے اور نوکری مل جاتی ہے اور بس! اس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جب ہماری درسگاہوں کا مقصد و مدعا ہی متعین نہیں تو ان میں برکت و ہدایت اور اجتماع و امن کا ماحول کیسے پیدا ہو۔ اور اگر ان میں انتشار و افتراق فساد و طغیان اور قتل و بغاوت ہے تو یہ اسی صورت حال کا منطقی نتیجہ ہے۔ اگر وہ مبارک کی جگہ نامبارک، ہدایت کی جگہ ضلالت، اجتماع کی جگہ انتشار اور امن کی جگہ فساد کا نقشہ پیش کرتی ہیں تو یہ نتیجہ ہے اس نفاق کا جو تقویٰ کی جگہ ان درسگاہوں کی بنیاد ہے اور بغاوت ہے نوجوان نسل کی اس طبقہ کے خلاف جو اس نظام پر حاوی ہے جو یا تو نفاق کی وجہ سے مثبت تبدیلی کے حق میں نہیں یا نااہلیت کے سبب بہتر نظام کے قیام کے قابل نہیں۔

دوسری درسگاہیں قدیم نظام تعلیم کی درسگاہیں ہیں۔ جن میں عربی اور مذہبی نصاب تعلیم رائج ہے۔ ان میں خلوص و تقویٰ موجود ہے۔ مگر بحیثیت مجموعی فرقہ واریت کا پہلو نمایاں نظر آتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اگرچہ مختلف فرقوں کی درس گاہوں کے احاطوں میں امن و سکون رہتا ہے۔ مگر ان کے فارغ التحصیل جب مستند ہو کر باہر نکلتے ہیں تو ان میں کشیدگی پائی جاتی ہے۔ جس کا اندازہ مساجد و محافل کے مختلف اجتماعات اور عبادت گاہوں پر قبضہ کرنے سے ہوتا ہے۔

ہماری جدید و قدیم درس گاہوں کو بامقصد و تعمیری خطوط پر قائم کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ ان کی بنیاد قرآن حکیم کی رہنمائی میں عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمی و روحانی درسگاہوں کی طرح تقویٰ پر رکھی جائے۔ انہیں برکت و ہدایت کا سرچشمہ اور امن و اجتماع کا مرکز بنایا جائے۔

طلبہ طلبہ نظام تعلیم کا انتہائی اہم عنصر ہیں۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طلبہ صحابہ کرام تھے، ان کی صفات قرآن و حدیث اور سیرت و تاریخ میں موجود ہیں۔ جن

کے سرسری مطالعہ سے یہ بات بخوبی سامنے آتی ہے کہ ان کا سب سے بڑا مقصد اپنی سیرت کی تشکیل، کردار کی پختگی، دنیوی امور میں مہارت اور اخروی مقاصد کا حصول تھا۔ خشیت الٰہی کے تحت حقوق و فرائض کی تعیین اور ادائیگی میں توازن اور رضائے الٰہی کے حصول کے لئے ایثار، قربانی، محبت، شفقت، ہمدردی، غمگساری، محنت، دیانت، قابلیت سے کام لینا تھا۔ مختلف علوم و فنون کی تحصیل کے لئے انتہا درجے کا شوق و ذوق، محنت و مشقّت، احقاقِ حق اور ابطالِ باطل ان کے اوصاف تھے۔

قرآن حکیم نے عقل و فکر، تدبر و تعقل پر بڑا زور دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عہد نبوؐی کی درسگاہوں میں اندھی تقلید اور جمود کی جگہ اجتہاد کا دور دورہ تھا۔ صحابہ کرام اپنی ذہنی، فکری، قلبی اور روحانی صلاحیتوں کو پروان چڑھاتے تھے۔ ان میں افراط و تفریط کی جگہ اعتدال تھا۔ دینی اور دنیوی امور میں توازن تھا۔ علوم و فنون میں انہماک انہیں اپنے خالق و مالک کے حقوق کی ادائیگی سے غافل نہیں کرتا تھا۔ اور زہد و تقویٰ دنیوی امور میں مہارت کے مانع نہیں ہوتا تھا۔ ان کے سامنے نظام تعلیم کا مقصد و مدّعا واضح تھا۔ اس لئے وہ اس کے حصول کے لئے ہمہ تن مصروف و مشغول رہتے۔ اپنی تمام توانائیاں اس کو حاصل کرنے کے لئے وقف کر دیتے اور پورے امن و سکون کے ساتھ حصولِ علم میں لگے رہتے۔ پوری دلجمعی کے ساتھ اعلیٰ مقاصد کا حصول ان کا مطمحِ نظر ہوتا بلند و بالا امور کی طلب و جستجو کی لگن کے سبب غیر ضروری، فضول اور بیکار کاموں کیلئے ان کے پاس وقت ہی نہ تھا۔

یہی وہ صفاتِ عالیہ اور اوصافِ حمیدہ تھیں جن کی بدولت قلیل ترین مدّت میں صحابہ کرام نے وہ کار ہائے نمایاں انجام دیئے جن کی مثال نہیں ملتی۔ انہوں نے فقہ و قانون میں وہ اجتہادات کئے جن کی روشنی انسانیت کو آئین و قوانین کی ترتیب میں ہمیشہ راہ دکھاتی رہے گی۔ تعمیر و تشکیل شخصیت میں انہوں نے ایسی مثالیں قائم کیں جو قیامت تک انسانوں کے لئے رہبر و رہنما کی حیثیت سے موجود رہیں گی۔ علم و فضل اور عقل و تدبّر کے ایسے شاہکار سامنے لائے جو تاریکی و جہالت سے نکلنے والوں کے لئے مشعل کا کام دیتے رہیں گے۔ طلباءِ درس گاہ عہدِ نبوؐی اور طلباءِ عہدِ حاضر کے موازنے سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ان میں انتہائی بُعد ہے، اُن میں شوق و ذوق ان میں لاپرواہی و بے رغبتی، ان میں اجتہاد و جستجو ان میں جمود و بے اعتنائی، اُن میں مقصد و مدّعا کے حصول کی تڑپ ان میں مقصد و مدعا کی بے یقینی، وہ تعمیر کے لئے بے قرار یہ

تخریب کے لئے بے چین وہ سراپا ادب واحترام یہ نمونہ توہین وتحقیر

یہ لازم نہیں کا اب لیسے مخلص، محنتی اور بامقصد طلبہ بالکل مفقود ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں۔ لیسے طلبہ موجود ہیں۔ اور ان پر قوم کو فخر ہے۔ البتہ قابلِ غور امر یہ ہے کہ اسوقت کس ذہنیت کا غلبہ ہے؟ اور تخریب وانتشار کا رُخ تعمیر وسکون کی طرف کس طرح موڑا جا سکتا ہے۔ میری سمجھ میں صرف ایک ہی بات آتی ہے کہ طلبہ میں صفات صحابہ کرام پیدا کی جائیں۔ ان کے سامنے درسگاہ نبوی کے تلامذہ کا نقشہ پیش کیا جائے، ان میں جوشِ عقیدہ پیدا کیا جائے اور اس عقیدہ کے مضمرات ان کے عمل اور سیرت وکردار کا رُوپ دھارتے چلے جائیں۔ اس کے لئے ضروری ہوگا۔ کہ صحابہ کرام کے علمی کارنامے اور حصولِ علم میں ان کی جدوجہد اور مصائب وآلام کی برداشت پر مبنی نصاب تیار ہو۔

معلّم نظام تعلیم وتربیت میں معلّم کو مرکزی ومحوری حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ اسلامی نظام تعلیم کے اوّلین معلّم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم ہیں۔ آپؐ کا ارشاد ہے:

انما بعثت معلما [۱۲] — مجھے معلّم بنا کر بھیجا گیا ہے۔

اس منصب پر فائز ہوتے ہی سب سے پہلے آپؐ نے اپنی قبل از نبوت سیرت وکردار کے بارے میں اپنے اہلِ شہر سے دریافت فرمایا کہ میں آپ لوگوں میں زندگی بسر کر چکا ہوں۔ آپ نے مجھے کیسا پایا؟ سب لوگوں نے شہادت دی کہ ہم نے آپؐ کو ہمیشہ صادق وامین پایا۔ ہم نے آج تک آپ سے سوائے سچ کے کچھ نہیں سُنا۔ اہلِ شہر کی اسی شہادت کو قرآن حکیم نے اس آیتِ کریمہ میں بیان کیا ہے۔

فقد لبثت فیکم عمرا من قبلہ — میں قبل ازیں تم میں ایک عمر گزار چکا ہوں

افلا تعقلون [۱۳] — کیا تم سمجھتے نہیں

آپؐ کے خُلقِ عظیم کی شہادت سب سے آخری آسمانی وحی قرآن حکیم نے اس آیت میں بیان فرمائی ہے۔

وانك لعلیٰ خلق عظیم [۱۴] — آپ یقیناً خلق عظیم رکھتے ہیں

۱۲۔ ابن ماجہ، سنن، مقدمہ، ۱۷

۱۳۔ القرآن الحکیم (۱۰ : ۱۶) ۱۴۔ القرآن الحکیم (۶۸ : ۴)

خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے منصب نبوت کے متعلق ارشاد فرمایا:

بعثت لاتمم حسن الاخلاق[۱۵]	میں حسن اخلاق کی تکمیل کے لئے مبعوث ہوا ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معلمی کے فرض کو جس حسن و خوبی سے انجام دیا وہ ایک ابدی و سرمدی نمونہ عمل ہے۔ اس فریضے کی انجام دہی کے لئے آپؐ نے جس خلوص، جذبے، محنت، محبت اور ہمدردی کو اپنایا اللہ تعالیٰ نے اسے انتہائی بصیرت افروز انداز میں اس آیت میں بیان فرمایا۔

فلعلك باخع نفسك علی آثارھم ان لم یومنوا بھذا الحدیث اسفا[۱۶]	(اے پیغمبرؐ) اگر یہ اس کلام پر ایمان نہ لائیں تو شاید آپؐ ان کے پیچھے رنج کرکے اپنے آپ کو ہلاک کردیں۔

جب تک معلم کو اپنے مقصد و مشن کے ساتھ ایسی ہی وابستگی نہ ہو اس وقت تک وہ صحیح معنوں میں تعلیم و تبلیغ کے منصب پر فائز ہونے کا حق نہیں رکھتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق، اعمال اور سیرت و کردار کا جو نمونہ بحیثیت مجموعی نمایاں طور پر ابھر کر سامنے آتا ہے۔ اسے قرآن حکیم نے تمام انسانیت کے لئے اسوہ حسنہ قرار دیا ہے اور قیامت تک تعلیم و تبلیغ سے وابستہ انسانوں کو اسے اپنانے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم کی تعلیم ہے۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ[۱۷]	تحقیق تمہارے لئے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے۔

تاریخ اسلام اس بات پر شاہد ہے کہ معلمین اسلام نے فرائض تعلیم سنبھالنے سے پہلے اپنی سیرت و کردار کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے مطابق ڈھالا۔ پورے جذبے، شوق اور مشن کے ساتھ اپنے فرائض منصبی کی انجام دہی کی۔ بکمال خلوص، محنت اور جانفشانی اپنے تلامذہ میں علم و ہنر کی جستجو اور تحقیق و اجتہاد کی تڑپ پیدا کی۔

---

۱۵ - امام مالک الموطا، باب حسن الخلق، ۸

۱۶ - القرآن الحکیم (۶ : ۱۸)

۱۷ - القرآن الحکیم (۲۱ : ۳۳)

عہدِ حاضر میں اخلاق و کردار کی پستی اور سیرت و اعمال کی گراوٹ کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ بحیثیت مجموعی اس کی تہہ میں معلّمین کا کردار پوشیدہ ہے۔ ان کی مقصد و مدّعا سے لاپرواہی، محنت و جانفشانی سے پہلوتہی، طلبہ سے بے رغبتی وہ عوامل ہیں جن کا پرتَو ان کے زیرِ تعلیم طلبہ کی ذات و شخصیت پر پڑتا ہے۔ جب تک معلّمین اپنی سیرت و کردار اور اعمال و افعال کو اسوۂ حسنہ کے مطابق نہیں ڈھالتے اور اپنے اعلیٰ اخلاق اور عمدہ کردار کو طلبہ کے لئے نمونے کے طور پر پیش نہیں کرتے اسوقت تک قومی و مِلّی اخلاقی گراوٹ کا رُخ تعمیر و ترقی کی طرف نہیں موڑا جا سکتا۔

نظامِ تعلیم سے وابستہ معلّمین کے لئے لازم ہے کہ وہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اسوۂ "وانك لعلى خلق عظيم" اور آپ کے کردار "فلعلك باخع نفسك على اثارهم ان لم يومنوا بهذا الحديث اسفا" کو اپنائیں اور اس کے مطابق تعلیم و تربیت کے فرائض انجام دیں۔

نصاب تعلیم و تربیت | قرآن حکیم کی سورۂ بقرہ، آل عمران اور جمعہ میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اس دنیا میں تشریف لانے کے مقاصد اور آپکی نبوّت و رسالت کے فرائض منصبی بیان ہوئے ہیں۔ انہیں مقاصدِ نبوّت کے مطابق آپ ؐ نے امّتِ مسلمہ کی تعلیم و تربیت فرمائی اور انہیں بنیادی تعلیمی اصولوں پر عہدِ نبوّی کا نصابِ تعلیم و تربیت مشتمل تھا۔

۱۔ تلاوت آیات (يتلوا عليهم آياتك)
۲۔ تعلیم کتاب (ويعلمهم الكتب)
۳۔ تعلیم حکمت (والحكمة)
۴۔ تزکیۂ نفس (ويزكيهم)

تلاوت آیات | سب سے پہلے تلاوت آیات کو لیجئے۔ امام راغب اصفہانی تلاوت کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

والتلاوة تختص باتباع كتب الله المنزله	تلاوت اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ کتب کی اتباع کے لئے مخصوص ہے۔

اِس کے ساتھ ہی تلاوت کا یہ معنی بھی ہے۔

یقال فی القرآن فی شئی اذا قرآته	قرآن حکیم کے متعلق کہا جاتا ہے کہ جب
وجب علیك اتباعه	تونے اسمیں سے کچھ پڑھا تو تیرے اوپر اس کی اتباع واجب ہوگئی۔

تلاوت سے مراد قرآن حکیم کے اوامر ونواہی اور احکام وتعلیمات کی تلاوت، ان پر عمل کے نقطۂ نظر سے کرنا ہے۔ تلاوت کے دو مفہوم ہیں:۔

۱۔ قرآن کے الفاظ کی حفاظت اور ان کا تقدس

۲۔ قرآنی احکام وقوانین اور اخلاقی وروحانی تعلیمات کی اتباع

اس سے ظاہر ہے کہ "یتلوا علیهم آیتك" کا مفہوم یہ ہوا کہ قرآنی آیات کو عام کیا جائے انہیں نہایت دلسوزی کے ساتھ تلاوت کرکے ذہن نشین کیا جائے، قلب وروح پر ان آیات کو نقش کیا جائے۔ ملک ومعاشرے میں موجود ہر فکر وفلسفہ پر ان آیات کا غلبہ ہو، شعر وادب پر قرآنی آیات کی چھاپ ہو۔ معاشرے میں تمام افکار وخیالات ان کے تابع ہوں۔ انفرادی واجتماعی زندگی میں ان کا چرچا ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت سے وصال تک مسلسل اس طرح تلاوت فرمائی کہ قرآنی آیات روزمرہ کا موضوع بن گئیں۔ موافق ومخالف سب انہیں کے متعلق گفتگو کرتے۔ آپؐ نے تلاوت کے ذریعے قرآن کو اتنا عام کردیا کہ قبل از اسلام کا شعر وادب دب کر رہ گئے۔ ہر جگہ اور ہر مقام پر قرآنی آیات کا چرچا ہونے لگا۔ حتیٰ کہ قبل از اسلام عرب تہذیب وثقافت کا سرمایا "سبع معلقات" بھی اپنی اہمیت کھو بیٹھے اور ان کی جگہ قرآنی آیات نے لے لی۔

آج اگر عہدِ نبوی کے نصاب تعلیم کے پہلے جزو "تلاوت آیات" پر مبنی ملک کے نظام تعلیم کو ترتیب دیا جائے تو نہایت صدق اور اخلاص کے ساتھ سنّت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں "تلاوت آیات" کو نصاب تعلیم میں پوری پوری اہمیت دینا ہوگی۔ ایک مقررہ مدت کے اندر اندر ملک کے ہر فرد میں تلاوت آیات کی استعداد پیدا کرنا ہوگی۔ اس کا عملی طریق کار یہ ہوسکتا ہے۔

۱۔ ہمارے نظام تعلیم کے درجہ ابتدائیہ (پرائمری) میں پورے قرآن ناظرہ کی تعلیم لازمی قرار دی جائے۔ تاکہ ملک کے ہر پرائمری پاس بچّے میں پورے قرآن حکیم کو ناظرہ طور پر پڑھنے

کی استعداد پیدا ہو جائے۔

۲۔ اس سلسلے میں دوسرا قدم یہ اٹھایا جائے کہ قرآن حکیم کی بنیادی تعلیمات کا خلاصہ مختلف موضوعات کے تحت آسان اور عام فہم اردو زبان میں طلبہ کو پڑھایا جائے۔

تعلیم کتاب عہدِ نبوی کے نصاب تعلیم کا دوسرا بڑا اصول تعلیم کتاب ہے۔ کتاب سے مراد اللہ تعالیٰ کی سب سے آخری وحی کتاب اللہ، قرآن حکیم ہے۔ اس کی تعلیم سے مراد اس کے احکام، تعلیمات، ارشادات، ہدایات، اوامر و نواہی کی تعلیم ہے پوری کتاب کو سمجھنا اس کے معانی و مفاہیم کو جاننا، اس میں دیئے گئے احکام کا علم حاصل کرنا، اس کی تعلیمات، ارشادات اور ہدایات کا فہم و ادراک پیدا کرنا اس کے اوامر اور نواہی کو سیکھنا تعلیم کتاب ہے۔ قرآن حکیم خالق کی طرف سے مخلوق کے لئے آخری، مکمل، تمام کمال، غیر متغیر، غیر متبدل، ابدی سرمدی ہدایت ہے۔ ہر انسان پر فرض ہے کہ وہ اسے پڑھے، اسے سیکھے اور اس کی تعلیمات پر عمل کرے۔ تعلیم کتاب میں فرد سے زیادہ معاشرے پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اسکا اہتمام کرے۔ عام حالات میں ہر فرد کو خود بخود تعلیم کتاب کی اہمیت کا احساس نہیں ہوتا، اس لئے یہ معاشرے کا فرض ہے کہ وہ ایسا نظام تعلیم معرض وجود میں لائے جس کی بنیاد "تعلیم کتاب" پر ہو۔ قرآنی آیات کو پڑھنا اور ان کی تلاوت کرنا، تلاوت آیات ہے۔ تعلیم کتاب سے مراد ان آیات میں دی گئی تعلیمات کو سیکھنا، انہیں جاننا اور ان پر عمل کرنا ہے۔ یہ سب اسی صورت میں ممکن ہے کہ تلاوت کے علاوہ قرآنی آیات کا معنی اور مفہوم سمجھا جائے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ ملک و ملت کے ہر فرد کو اس کا اہل بنانا کہ وہ قرآن حکیم کی جملہ تعلیمات کو سمجھ سکے۔ اسلامی معاشرے کا سب سے بڑا فریضہ ہے۔ اسلامی معاشرہ اپنے اس فریضہ کو اپنی حکومت کی وساطت سے انجام دیتا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کی حکومت پر اس فریضہ کی اصل انجام دہی عائد ہوتی ہے۔ حکومت تمام مسلمانوں کے لئے "تعلیم کتاب" کا اہتمام اپنے نظام تعلیم کے ذریعے کر سکتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مبارک و مسعود عہد میں جو نصاب تعلیم ترتیب دیا تھا اسمیں تعلیم کتاب ہی کو بنیادی، محوری اور مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ آپ کی حکومت کے جملہ ذرائع و وسائل تعلیم کتاب کے لئے وقف تھے۔ سربراہ حکومت اور تمام اعیان و اعوان مملکت تعلیم کتاب میں مصروف تھے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے خصوصی تربیت گاہیں برائے اساتذہ قائم فرمائیں۔ تربیت یافتہ اساتذہ کو ملک کے طول و عرض میں تعلیم کتاب

لے لئے مامور فرمایا۔ مسجد سب سے بڑی درسگاہ قرار پائی۔ ملک کی تمام مساجد تعلیم کتاب کے لئے وقف تھیں، اور تمام مسلمانوں پر فرض تھا کہ وہ مسجد میں حاضر ہوں اور کتاب کا علم حاصل کریں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلافت راشدہ کا نظام تعلیم ایک مثالی نظام تھا۔ اس نظام کے ذریعے ہر مسلمان میں اتنی استعداد پیدا کر دی گئی تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام اُس کی کتاب، قرآن حکیم کو پڑھ کر خود سمجھ سکتا تھا۔ کتاب اللہ کی اس وسیع پیمانے پر تعلیم کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کی حکومت کے تمام شعبے خود بخود اسلامی سانچے میں ڈھلتے چلے گئے۔ معیشت، معاشرت، سیاست، عدالت، حکومت، تہذیب، تمدّن، ثقافت، نہایت آسانی، دلی رغبت اور سہولت کے ساتھ اسلامی رنگ اختیار کرتے چلے گئے۔ تعلیم کتاب مسلمانوں کے اخلاق و کردار پر اثر انداز ہوئی اور مسلمان کتاب اللہ کی تعلیمات کے زیر اثر انسانیت کے لئے نمونہ بن گئے۔ ان کے اعمال، افعال، سیرت، کردار، تہذیب اور اخلاق انسانیت کے لئے معیار قرار پائے اللہ تعالیٰ کی کتاب کو سیکھنے کا یہ اثر ہوا کہ نظام حکومت کو چلانے والے عمّال اور حکام دیانت، امانت، محنت اور خدمت کا شاہکار بن کر سامنے آئے۔ عوام صدق، خلوص، ایثار، ہمدردی، اخوت، محبّت، اتحاد و اتفاق کا مجسّمہ بن کر دوسری انسانیت کے سچے محسن و غم خوار ثابت ہوئے شر، فساد، فحش، منکر مغلوب ہو گئے اور خیر و معروف، صلاح، فلاح غالب ہو گئے۔ بزدلی چوری، دغا، فریب، مکاری، عیاری کی جگہ شجاعت، اولوالعزمی، بلند ہمتی، عزم صمیم، صدق اور خلوص، اسلامی معاشرت کا طرۂ امتیاز قرار پائے۔ یہ وہ نتائج ہیں جو صرف ایک درست قدم اٹھانے سے برآمد ہوئے اور یہ درست قدم تعلیم کتاب کو نظام تعلیم کا مرکز قرار دینا تھا۔

"تعلیم کتاب" کو موجودہ نظام تعلیم میں رائج کرنے کی یہ صورت ہو سکتی ہے کہ درجہ ثانویہ (میٹرک) تک اسے لازمی قرار دیا جائے۔ ان پانچ سالوں میں "تعلیم کتاب" کو اس طرح نصاب کا حصّہ بنایا جائے کہ میٹرک پاس کرنے تک ہر طالب علم لازمی طور پر پورے قرآن مجید کا ترجمہ سیکھ جائے اور قرآن کی بنیادی تعلیمات کو پوری طرح سمجھ جائے۔ جسطرح حصّہ پرائمری میں پورا قرآن ناظرہ پڑھا دیا جائے۔ اسی طرح حصّہ میٹرک میں پورے قرآن کا ترجمہ سکھا دیا جائے۔

تعلیم حکمت

قرانی نصاب تعلیم و تربیت کا تیسرا بڑا اصول تعلیم حکمت (والحکمۃ) ہے۔ امام مالکؒ نے فرمایا حکمت سے مراد دین کی معرفت اس کی فقہ

اور اس کی اتباع ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک حکمت سے مراد سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ امام رازی نے فرمایا کہ کتاب سے مراد قرآنی احکام ہیں اور حکمت سے مراد ان احکام و شرائع کی حکمت اور ان میں انسانیت کے لئے مصالح و منافع کا بیان ہے۔ ان آئمہ مجتہدین و مفسرین کی آراء سے ظاہر ہوا کہ قرآنی نصاب تعلیم کا اصول " والحکمہ " ایک نہایت جامع اصطلاح ہے۔ جس میں وہ تمام علوم سمٹ آتے ہیں جن کا تعلق کتاب و سنت کی تعلیمات سے ہے۔ کتاب و سنت کی تعلیمات پر ایک سرسری نظر سے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ دینی و دنیوی امور پر مشتمل ہر وہ چیز جو دنیا و آخرت میں انسانیت کے لئے فائدہ مند اور نفع بخش ہے ان تعلیمات میں موجود ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ حکمت اسرار و رموز دین الٰہی کی گرہ کشائی بھی ہے اور کتاب و سنت کی تعلیمات سے موافق اور ان کے مطابق تمام علوم و فنون بھی ہیں یہ بات اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے جب سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دقت نظر سے مطالعہ کیا جائے۔ آپ کے ارشادات، فرمودات، تقاریر، اقوال، افعال و اعمال پر غور کیا جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ قانون، تعلیم، حکومت، عدالت، معاشرت، معیشت، سیاست، تہذیب و تمدن کی تشکیل اور اخلاق و کردار کی تعمیر سب حکمت کی عمدہ تفسیر ہیں جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ تمام معاشرتی و سائنسی علوم جو انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے ضروری ہیں۔ اور وہ قرآن و حدیث کی تعلیمات کے موافق ہیں وہ سب اسلامی ہیں اور ان کی تحصیل ضروری ہے۔

حکمت، روح دین ہے اسے موجودہ نظام تعلیم میں بی۔ اے، بی ایس سی، تک پڑھایا جائے۔ قرآن کی تعلیمات کی غایت اور ان کی روح پر مبنی نصاب تیار کر کے نظام تعلیم کے جملہ شعبہ جات کی گریجویٹ سطح پر نافذ کیا جائے۔ نصاب حکمت کی ترتیب و تدوین میں امام غزالی، امام ابن تیمیہ، ابن خلدون، امام شاہ ولی اللہ، علامہ اقبال کی خدمات سے رہنمائی حاصل کی جا سکتی ہے۔ میٹرک کی سطح تک تلاوت و تعلیم کتاب کے بعد گریجویٹ سطح تک تعلیم حکمت کے اہتمام کا نتیجہ یہ ہو سکتا ہے کہ اس مجوزہ نظام تعلیم سے پیدا ہونے والے ڈاکٹر، انجینئر، ماہرین معاشیات، سیاسیات، معاشرت، عدالت، تعلیم، پوری طرح کتاب و سنت سے سرشار ہو کر اطراف و اکناف عالم میں پھیل جائیں۔ وہ جہاں کہیں جائیں اسلام کے مبلغ ہوں۔ ان کے اخلاق و کردار خود سراپا دعوت اسلامی ہیں۔